© rasailojaraid.com

ٹیوڈ جی کبل

جنگجو اسلام: حقیقت کیا ہے(۴۱)

یہ ۱۹۹۵ء کے موسم خزاں کا ذکر ہے، جب زیر نظر مضمون کا خیال ذہن میں آیا کہ اس وقت تین مختلف واقعات کی بنا پر جو مختلف مقامات پر رونما ہوئے تھے، اسلامی بنیاد پرستوں کی دہشت گردی کا چرچا زبان زد خاص و عام تھا۔ پہلا واقعہ نیویارک میں شیخ عمر عبدالرحمان اور ان کے نو دیگر ساتھیوں کی سزا کا تھا۔ جنہیں اقوام متحدہ کی عمارت اور من ہیٹن کی ایک زمین دوز سڑک اور پل کو بم سے اڑانے کی سازش کے جرم میں سزا سنائی گئی تھی۔ مصری حکومت کے وہ پہلے ہی معتوب تھے اور صدر حسنی مبارک کے قتل کی سازش کا بھی ان پر الزام تھا۔ کیونکہ ان کے خیال میں مصری حکمران مغرب نواز تھے اور اسلام کی فکری اساس سے دور۔

اس سلسلے کا دوسرا واقعہ رمزی یوسف کی گرفتاری کا تھا، جسے ۱۹۹۳ء میں ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی عمارت کو بم سے اڑانے کے جرم میں گرفتار کیا گیا تھا۔ اس دھماکے میں چھ افراد ہلاک ہوئے تھے۔

انہی دنوں تیسرا واقعہ پیرس میں الجزائری آبادکار خالد کلکال کا قتل تھا، جسے فرانس کے امن عامہ کے ادارے نے پیرس کی زیر زمین ریلوے میں ہونے والے دھماکے کا ذمہ دار ٹھہرایا تھا۔ دہشت گردی کے اس واقعہ میں سات افراد مارے گئے تھے۔ اس دھماکے کا محرک فرانسیسی حکومت کی الجزائر کی اسلام دشمن حکومت کی مبینہ حمایت بتائی جاتی تھی۔

ان واقعات کے علاوہ مشرق وسطیٰ میں القدس کے قضیے کے حوالے سے تشدد کے جو واقعات رونما ہوتے رہے ہیں، ان کی پشت پر بھی انہی بنیاد پرستوں کی دہشت گردی قرار دی جاتی رہی ہے۔ ان واقعات کی بنا پر اس وقت کے امریکی وزیر دفاع ولیم پیری نے کہا تھا کہ مسلم بنیاد پرستی کے بڑھتے ہوئے رجحان سے مشرق وسطیٰ میں مغرب کی بقا کو خطرہ لاحق ہے۔ ان کے خیال میں اس کے پھیلاؤ کو روکنے کی فوری کوششیں ناگزیر تھیں۔ اسی طرح معاہدہ شمالی اوقیانوس کے سابق سیکرٹری جنرل ولی کلائیس نے مسلم بنیاد پرستی کی اس لہر کو مغرب کے لیے کمیونزم سے زیادہ سنگین خطرہ قرار دیا تھا۔

دوسری طرف انہی دنوں اسلام اور مشرق وسطیٰ کے امور کے کئی مبصرین نے اس رائے کا اظہار بھی کیا تھا کہ اسلام سے اس نوعیت کا کوئی خطرہ نہیں۔ ان کے خیال میں مغربی دانشور اسلام کو سمجھنے سے کلی طور پر قاصر رہے ہیں اور اسلام کا سیاسی فلسفہ درحقیقت مشرق وسطیٰ کی بعض انتہائی مطلق العنان حکومتوں کے مقابلے میں جمہوری طرز فکر سے "نسبتاً" قریب تر ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان دو متضاد نقطۂ ہائے نظر کی روشنی میں زیر نظر مضمون کا ایک ناقدانہ تجزیہ کیا جائے' تاکہ واضح ہو سکے کہ واقعی وہ مستقبل کا کوئی خطرہ ہے بھی یا نہیں۔

"جنگجو اسلام" کے حوالے سے ایک سنسنی خیز نقشہ وہ ہے' جسے فرید خاوری نے اپنی تالیف Oil And Islam: The Ticking Bomb (۱۹۹۰ء) میں پیش کیا ہے۔ خاوری کے نزدیک متشدد اسلام کی لہر سے نہ صرف مشرقِ وسطیٰ بلکہ صنعتی لحاظ سے ترقی یافتہ دنیا کا اقتصادی مستقبل خطرے میں ہے۔ مصنف کے خیال میں خمینی انقلاب کی لہر اگر ایک بار پھر ایران کی حدود سے نکل کر مشرق وسطیٰ کے انتہائی حساس علاقے کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے اور اس کے نتیجے میں عراق' مصر اور سعودی عرب جیسے ممالک اسلامی انقلاب کی رو میں بہ جاتے ہیں' تو ایسی صورت حال میں خلیجی ریاستوں سے لے کر جزیرہ نمائے عرب تک کا پورا خطہ "ایرانی بلاک" بن سکتا ہے اور اس طرح دنیا بھر کے تیل کے ذخائر کا ۸۴.۸ فیصد اور تیل کی پیداوار کا کل ۶۶.۶ فیصد علاقہ مسلم دہشت گردوں کے تسلط میں جا سکتا ہے۔ اس صورت حال کی بدولت وہ دنیا کی ایک سپر پاور بن کر تیل کے ہتھیار سے اپنی متشددانہ فکر کو مشرق وسطیٰ اور اس کے باہر غالب کرنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔

فرید خاوری کے اس خاکے سے ملتا جلتا ایک خاکہ برطانوی اخبار سنڈے ٹائمز نے بھی اپنی ایک حالیہ اشاعت میں پیش کیا ہے۔ اس نے حسنی مبارک کی حکومت کے خلاف بنیاد پرستوں کے بڑھتے ہوئے حملوں کے حوالے سے اپنے قارئین کو متنبہ کیا ہے کہ مصر میں ایک متشدد اسلامی ریاست کا قیام آگے چل کر سوڈان کے تعاون سے الجزائر اور لیبیا جیسی پڑوسی حکومتوں کو زیر نگین کرتا ہوا خلیجی ریاستوں اور سعودی عرب تک اپنا دائرہ اثر و نفوذ بڑھا سکتا ہے' جس سے مستقبل قریب میں ایک وسیع و عریض بنیاد پرست اسلامی بلاک کا وجود میں آ جانا عین ممکن ہے۔

اسی کی دہائی میں مصر کے اندر حزب مخالف کا وجود بنیادی طور پر اخوان المسلمون تک محدود تھا۔ اخوان متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والوں کی ایک نظریاتی تنظیم ہے' جو نہ صرف اسلامی طرز حکومت کی علم بردار ہے' بلکہ بہتر جمہوری قدروں اور بنیادی انسانی حقوق کے لیے بھی سرگرم عمل ہے۔ جبکہ اس کے بعد وجود میں آنے والی تنظیمیں "التکفیر والہجرہ" اور "الجہاد" تشدد پسند تحریکیں ہیں اور انہوں نے دیکھتے ہی دیکھتے اپنا اثر و نفوذ وسیع علاقوں میں پھیلا لیا ہے۔ ان تنظیمات نے مصر میں مقامی کلیسا' نائٹ کلب' شراب خانے' سینما ہال' وڈیو شاپس وغیرہ جیسی ہر ان چیزوں کے خلاف متشددانہ کارروائیاں کی ہیں' جو ان کی نظر میں مغرب زدگی اور اباحیت پسندی کی مظہر ہیں۔ ان تنظیمات سے تعلق رکھنے والوں کی اکثریت نوجوان نسل اور مزدور طبقات پر مشتمل ہے۔ بڑھتے بڑے اقتصادی مسائل نے مصری حکومت کی مشکلات میں اور اضافہ کر دیا ہے۔ ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف کی ترجیحات کے مطابق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حکومت کو نجکاری، قیمتوں پر کنٹرول کا خاتمہ اور مقامی منڈیوں کو بیرونی مصنوعات کے لیے کھول دینے جیسے اقدامات کا سامنا ہے، جن کے نتیجے میں صنعتی مزدور کے مسائل میں بالخصوص اضافہ ہو رہا ہے اور وہ اسلامی دہشت گرد تنظیموں سے وابستگی میں ان کا حل محسوس کرتا ہے۔ ۱۹۹۳ء میں مصر میں رونما ہونے والے دہشت گردی کے مختلف واقعات میں ۱۱۰۶ افراد قتل ہوئے، جو گذشتہ برسوں کی بہ نسبت کئی گنا زیادہ ہیں۔

مصر کی طرح سعودی عرب میں بھی بڑھتے ہوئے اقتصادی مسائل نے مسلم بنیاد پرستانہ دہشت گردی کی لہر تیز کر دی ہے۔ باوجود اس حقیقت کے کہ سعودی حکومت بظاہر اسلامی خطوط پر چلائی جا رہی ہے اور وہاں شرعی سزائیں نافذ ہیں، مگر مسلم دہشت گرد محسوس کرتے ہیں کہ ان کا ملک مغربی دنیا سے منتھی ہو کر رہ گیا ہے اور وہ اپنا مخصوص اسلامی کردار ادا کرنے میں ناکام رہا ہے۔ وہ اپنی حکومت کو مالی بدعنوانی میں ملوث تصور کرتے ہیں اور جنگ خلیج میں بالخصوص سعودی حکمران خانوادے کے طرز عمل سے انہیں شدید نفرت ہوئی ہے۔ وہ کسی قیمت پر اپنی سرزمین پر غیر مسلم افواج کا وجود برداشت کرنے کو تیار نہیں۔

مصر، سعودی عرب اور خلیج کے علاوہ فلسطین کی سرزمین بھی اسلامی بنیاد پرستی کے حوالے سے خطرے کی ایک مستقل گھنٹی ہے، جہاں حماس اور حزب اللہ کا اثر و نفوذ نوجوان نسل میں روز بروز بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے۔

مسلمان بالعموم اور مسلم دہشت گرد بالخصوص قرآن اور شریعت کی بالادستی پر یقین رکھتے ہیں۔ غیر مسلموں کے حوالے سے ان کا رویہ عام طور پر قرآن کی جہادی فکر سے تشکیل پاتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اسلام کا تصور جہاد وہ نہیں، جسے بالعموم Holy War یا مقدس جنگ کے معنوں میں لیا جاتا ہے۔ احادیث اور مسلم فقہا کے نزدیک جہاد کی چار قسمیں بتائی گئی ہیں، جن میں "جہاد بالقلب" "جہاد باللسان" "جہاد بالید" اور "جہاد بالسیف" شامل ہیں۔ مسلمانوں کے نزدیک اسلامی دعوت کو عام کرنا مسلم معاشرے کا اہم مشن قرار پاتا ہے اور ایک مسلمان کے لیے یہ دنیا دار الاسلام اور دار الحرب میں بٹی ہوئی ہے۔ اس بنیاد پر غیر مسلموں کی طرف یک گونہ متشددانہ رویہ مسلم معاشرے میں ہر کہیں کسی نہ کسی درجے میں ضرور پایا جاتا ہے۔

پچاس کی دہائی میں، مختلف مسلم زعما نے طاغوت کے خلاف جہاد کی فکر کو زیادہ شد و مد سے عام کیا۔ اس میں تشدد کا بطور ہتھیار استعمال روا سمجھا گیا۔ اخوان المسلمون کے سید قطب نے کہا: "روئے زمین پر حق و باطل یکجا نہیں رہ سکتے۔ جہاد کی راہ آزادی اس وقت تک جاری رہے گی، جب تک دین مکمل طور پر اللہ کا (غالب) نہیں ہو جاتا۔ ان کے جانشینوں میں محمد الفرج، اردن کے سابق قاضی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

القضاۃ، شیخ عبداللہ غوشہ اور پھر ایران کے آیت اللہ روح اللہ خمینی اسی متشددانہ جہادی فکر کو عام کرتے نظر آتے ہیں۔

دوسری طرف اسلام کا اعتدال پسندانہ رنگ ہے، جس کے مظاہر جابجا ملتے ہیں۔ خود حضور رسالتماب کی معروف حدیث ہے کہ بہترین جہاد جابر سلطان کے آگے کلمۂ حق کہنا ہے۔ ایک دوسرے موقع پر جب آپ ایک غزوہ سے واپس آ رہے تھے، تو ارشاد ہوا کہ "میں جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف لوٹ رہا ہوں"۔ ان اقوال سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام میں اعتدال بھی ایک پسندیدہ طریقہ ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ تشدد اور اعتدال کی ان دو انتہاؤں میں وہ طرز فکر کون سی ہے، جو حقیقی اسلام کی نمائندگی کرتی ہے۔

دوسرے ادیان کی طرح اسلام میں بھی مختلف فکری مذاہب پائے جاتے ہیں۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ایک جانب ایران کے آیت اللہ خمینی اور دیگر بنیاد پرست عناصر ہیں، جو قرآن و حدیث کی تعبیر زیادہ متشددانہ انداز میں کرتے ہیں اور جنھیں ولیم پیری، ولی کلاکس اور فرید خاوری جیسے افراد مغرب اور اس کے مفادات کے لیے سخت خطرہ تصور کر رہے ہیں، تو دوسری طرف اسلامی احیا کی وہ تحریکات ہیں، جو تشدد اور دہشت گردی کے یکسر خلاف ہیں اور جنھوں نے اپنی سرگرمیوں میں رفاہی اور تعمیری پروگراموں پر زیادہ زور دیا ہے۔ ۱۹۹۲ء میں قاہرہ کے زلزلہ زدگان کے لیے مصر کے اخوان نے جو امدادی اور رفاہی کام کیے یا الجزائر کی اسلامی نجات پارٹی نے اپنے ہاں غربا و مساکین اور بے گھر لوگوں کی بہبود کی جو خدمات انجام دیں، ان سے اپنے علاقوں میں انھیں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ سعودی عرب میں بھی تحریک احیا اسلامی سے وابستہ افراد نے شاہی خانوادے کو اپنی تندوتیز تنقیدوں کا نشانہ تو بنایا، مگر ان کی معزولی کا کوئی مطالبہ ابھی تک نہیں کیا ہے۔

جمہوریت کے حوالے سے آیت اللہ خمینی نے اسلام کے نظریۂ سیاسی کی جو تعبیرو تشریح کی ہے، وہ مغربی طرز جمہوریت کی مکمل نفی کرتی ہے۔ ہندوستان میں احیائے اسلامی کی تحریک "جماعت اسلامی" کے بانی مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کا بھی اسی طرح یہ قول ہے کہ "مغربی جمہوریت میں عوام کی حاکمیت ہوتی ہے، جبکہ اسلام میں حاکمیت اعلیٰ صرف اللہ کی ہے۔ مغربی طریق جمہوریت میں عوام خود اپنے قانون ساز ہوتے ہیں، مگر اسلامی طرز حکومت میں کتاب و سنت کے احکام کی پیروی ان پر لازم ہے۔" لیکن خمینی اور مودودی کے افکار سے بہت سے دوسرے مسلم مفکرین متفق نہیں۔ اسلامی حکومت میں اجماع اور شورائیت کے ذریعے جمہوری نظام لایا جا سکتا ہے۔ اس کی تاکید خود قرآن و سنت سے ثابت ہے۔ اسلامی جمہوریہ ایران بذات خود اسی مخصوص "جمہوری" نظام کی ایک مثال ہے، جہاں پارلیمان اسلام کے شورائی نظام کے مطابق اپنا کردار انجام دے رہی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس پس منظر میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جہاں ترقی یافتہ مغربی جمہوریتوں کے شہریوں کو ایک اسلامی ریاست کے تصور سے خطرہ کی بو آتی ہے، وہاں دوسری طرف وہ لوگ ہیں، جو ان مطلق العنان حکومتوں کے زیر سایہ رہ رہے، ہیں جیسی مشرق وسطیٰ کے ممالک میں پائی جاتی ہیں۔ ان لوگوں کو ایک اسلامی ریاست کا تصور کہیں زیادہ پرکشش اور قید و بند سے آزاد نظر آتا ہے۔ عملی طور پر اسی لیے "جنگجو اسلام" کا تصور خاصا کمزور ہے۔ تصوراتی طور پر جو چیز ایک بڑا خطرہ محسوس کی جا رہی ہے، عملی سطح پر اس کا دور دور تک کہیں پتہ نہیں۔ بیشتر تبصرہ نگاروں کا اسی بنا پر خیال ہے کہ اسلام کا تصور ریاست آج جن علاقوں میں انہیں ایک خطرہ دکھائی دیتا ہے، آگے چل کر وہاں وہ دراصل مکمل جمہوریت کا پیش رو ثابت ہو گا۔

حقیقت یہ ہے کہ ایک پرامن عوامی انقلاب ہی اسلامی انقلاب کی راہ ہے، جو بیشتر مسلم احیا پسندوں کے نزدیک بندوق اور بم سے نہیں، بلکہ بیلٹ باکس کے ذریعہ برپا ہو گا۔ مغربی نقطۂ نظر سے تشدد پسند مسلمانوں کا چھوٹا سا گروہ سیاسی طور پر تو مغرب کے لیے ایک مستقل خطرہ ہو سکتا ہے، بالخصوص ان مغربی حکومتوں کے لیے جو کہ غیر جمہوری مسلم حکمرانوں کی پشت پناہ ہیں۔ وہ حکمران، جن کا بنیادی انسانی حقوق کا ریکارڈ بھی لائق تحسین نہیں، مگر اس خطرہ کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنا غیر حقیقت پسندانہ ہو گا۔

خوش قسمتی سے اسلامی احیا پسندوں کی اکثریت اسی غیر متشددانہ رویے کی حامل ہے۔ ان کے خیال میں بندوق، بم اور دہشت گردی کی راہ اللہ کی راہ نہیں۔ ان کی جہادی فکر اعتدال پسندانہ ہے اور ان کی قرآن و سنت کی تعبیر نسبتاً" جدید عصری تقاضوں سے ہم آہنگ ہے۔ اسی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ احیائے اسلامی کی تحریک سے مغرب کے لیے کسی بڑے خطرے کا کوئی امکان نہیں۔

(تلخیص، شفق ہاشمی)

© rasailojaraid.com